مولانا عبدالرحمان کیلانی (گزشتہ سے پیوستہ)

قرآنی نظامِ ربوبیّت

عبوری دور اور ناسخ و منسوخ:

زنا کی سزا کا آپ نے حوالہ ضرور دیا ہے لیکن بیان نہیں فرمائی وہ اس لیے کہ قرآن میں زنا کی دو سزائیں مذکور ہیں، ایک ناسخ ہے دوسری منسوخ لیکن آپ ناسخ و منسوخ کے قائل نہیں، فلہذا آپ عبوری دور کی اصطلاح استعمال فرماتے ہیں حالانکہ مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ قرآن کی بعض آیتیں دوسری آیات سے منسوخ ہو چکی ہیں تو اس سے قرآن بھیجنے والے خدا کے متعلق کیا تصور پیدا ہوتا ہے؟ لیکن ملّا بے چارے کو اس سے کیا واسطہ کہ خدا کے متعلق کیا تصور پیدا ہوتا ہے اور رسول اللہ کے متعلق کیا خیال قائم ہوتا ہے۔"

(قرآنی فیصلے ص ۲۴۰)

ہم پوچھتے ہیں کہ ملا بیچارے کو اس سے کچھ واسطہ نہیں تو اللہ تعالیٰ کو خود تو اپنے متعلق ضرور کوئی واسطہ ہونا چاہیے تھا۔ کیا اس نے درج ذیل آیت نازل کر کے نعوذ باللہ اپنے علم کی نفی اور اپنی توہین کی ہے؟ ارشادِ باری ہے:

"ما ننسخ من اٰیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا (البقرہ ۱۰۶)

"جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔"

ملّا بیچارے کا اگر کچھ قصور ہے تو صرف یہ کہ وہ آپ کی طرح لایعنی تاویلات کا سہارا لے کر آیات کا مفہوم نہیں بدلتا اور قرآن کے الفاظ سے جو مفہوم ذہن میں آتا ہے اسے قبول کر لیتا ہے۔ آپ کی ملّا پر پھبتی کا سبب دراصل یہ ہے کہ وہ قرآن کے بجائے آپ کی

قرآنی تاویلات کا ہمنوا کیوں نہیں بنتا۔ رہا اللہ اور اس کے رسول کی توہین کا تصور، تو ہمارے خیال میں یہ آپ کی سمجھ کا قصور ہے ملّا کا نہیں۔ کیونکہ یہی تدریجی احکام یا ناسخ و منسوخ سے تعلق رکھنے والے احکام ہی کسی بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کا بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں۔ شراب، سود، پردہ، زنا وغیرہ کے متعلق آیات و احکام متعدد بار نازل ہوتے رہے بلکہ سارا قرآن ہی بتدریج نازل ہوا جس میں اللہ کی یہی حکمتِ بالغہ کارفرما تھی۔ جسے آپ اللہ اور رسول کی توہین اور اللہ کے علم کی کمی قرار دینا چاہتے ہیں۔

حالات یا احتمالات:

تیسرا الجھاؤ آپ نے یہ پیدا کر دیا ہے کہ ٹھوس حقائق کی دُنیا سے نکل کر احتمالات کی خیالی دُنیا میں چلے گئے ہیں، مثلاً آپ زنا کی سزا کے متعلق لکھتے ہیں کہ اگر "ایسا وقت آ جائے کہ کوئی شخص زنا کا مرتکب ہی نہ ہو۔ اب ظاہر ہے کہ اس وقت زنا کی سزا کی کوئی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ یہ حکم موجود تو رہے گا لیکن نافذ العمل نہیں رہے گا۔"

(ق۔ن۔ر۔ص ۲۲۸)

سوال یہ ہے کہ کیا ایسا دور آ بھی سکتا ہے جس میں کوئی شخص زنا کا مرتکب ہی نہ ہو بنی نوعِ انسان کی تاریخ میں دورِ نبویؐ ہی وہ سنہری دور ہے جو اخلاقی اعتبار سے اپنی انتہائی بلندیوں پر تھا۔ پھر جب اس دور میں بھی زنا کے واقعات پائے جاتے ہیں تو پھر اس کون سا ایسا دور ممکن ہے جس میں کوئی شخص زنا کا مرتکب ہی نہ ہو اور زنا کی سزا ساقط العمل ہو جائے؟

اگر اس احتمالات کی دُنیا کو ذرا اور بھی وسعت دی جاتے تو یوں بھی کہا جا سکتا ہے، کہ "اگر ایسا وقت آ جائے کہ کوئی شخص چوری، ڈاکہ، زنا اور قذف وغیرہ کا مرتکب ہی نہ ہو تو تمام قرآنی حدود ساقط العمل ہو جائیں گی۔" پھر یہ احتمالات کا دائرہ مزید وسیع بھی ہو سکتا ہے کہ "اگر ایسا معاشرہ وجود میں آ جائے جس میں سارے لوگ ہدایت یافتہ ہوں تو پھر سارے قرآنی احکام کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔"

نفاذ اور نافذ العمل کا فرق:

چوتھا الجھاؤ کسی قانون یا حکم کے کسی نافذ اور نافذ العمل کے فرق سے پیدا کیا گیا ہے اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب نہیں ہوتا تو واقعی اس پر سزا کا قانون نافذ العمل نہیں ہو گا لیکن یہ قانون بہر حال نافذ ضرور رہے گا۔ ساقط نہیں ہو گا۔ قانون کا نافذ العمل ہونا گناہ کے

ارتکاب سے مشروط ہے لیکن ان کا نفاذ ہرگز مشروط نہیں۔ یہ ساقط صرف اسی صورت میں ہوگا جب اس کے عوض کوئی دوسرا قانون آجائے گا جسے عام اصطلاح میں منسوخ کہا جاتا ہے، قانون کے نافذ العمل یا ساقط العمل ہونے میں عبوری دور کا بھی کوئی تعلق نہیں، کیونکہ عبوری دور ناسخ و منسوخ کی درمیانی مدت کا نام ہے حالات کا نام نہیں۔ بعض احکام حالات سے مشروط تو ہوتے ہیں مگر ساقط ہرگز نہیں ہوتے۔

ترکہ اور عبوری دور:

پانچواں الجھاؤ یہ پیدا کیا گیا ہے کہ ایک شخص کی انفرادی حالت کا ذکر کرکے قانون کے ساقط العمل ہونے کا تاثر دیا گیا ہے جیسا کہ مثال نمبر۵ سے واضح ہے، فرماتے ہیں کہ:

"اسی طرح اگر کوئی شخص ترکہ چھوڑ کر نہ مرے تو اس پر وراثت کے احکام نافذ ہی نہ ہوں گے"

اس حد تک تو یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس دور میں بہت سے ایسے اشخاص بھی ہونگے جو ترکہ چھوڑ کر مریں گے اور ان پر یہ احکام نافذ العمل ہوں گے۔ ایک شخص یا کئی اشخاص کے ترکہ چھوڑے بغیر مرنے کے باوجود بھی یہ قانون نافذ ہی سمجھا جائے گا اور اس کا عبوری دور سے کچھ تعلق نہیں۔

مساکین کا وجود:

اب دوسری مثال کی طرف آئیے کہ قسم کا کفارہ یا غلام آزاد کرنا ہے، یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ غلامی کا تو اسلام نے مختلف طریقوں سے تدارک کیا اور وہ ختم ہوگئی۔ رہا مسکینوں کو کھانا کھلانے کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں آپ پھر خیالی دنیا میں جا بسے ہیں فرماتے ہیں؛ کہ "اگر کوئی معاشرہ الیسا مرفہ الحال ہو جائے کہ اس میں مسکینوں کا وجود ہی نہ رہے تو یہ حکم بھی ساقط العمل ہو جائے گا" سوال یہ ہے کہ کیا ایسا ہونا ممکن بھی ہے؟ آج کے دور میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، عرب ممالک، جاپان وغیرہ مرفہ الحالی کی بلند چوٹیوں پر ہیں۔ ان میں سے آپ کسی ایسے ملک کا نام بتلا سکتے ہیں جس میں مسکینوں کا وجود نہ ہو؟

مسکینی کو ختم کرنے کی بس ایک ہی صورت ہے اور وہ ہے اشتراکیت یا سوشلزم۔ لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ مسکینی ختم نہیں کی جاتی بلکہ مسکینی کا نام ختم کیا جاتا ہے۔ اس نظام میں حکومت افراد سے ان کی محنت کا ماحصل چھین کر سب کو ایک جیسا مسکین بنا دیتی ہے

تاکہ کوئی شخص دوسرے کو مسکین کہہ ہی نہ سکے۔ مسکین کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس ذاتی ملکیت کی کوئی چیز نہ ہو۔ اس نظام میں حکومت پارٹی تمام رعایا کی انفرادی ملکیتیں چھین کر خود ہی سب سے بڑی سرمایہ دار اور جاگیردار بن جاتی ہے۔ رعایا ساری کی ساری مسکین ہوتی ہے کیونکہ حکومت پوری رعایا کے ماحصل اور محنت کا قانون کے بل بوتے پر استحصال کرتی ہے۔ لہٰذا یہ طرزِ حکومت جبر و استبداد کی ایسی بدترین شکل اختیار کر جاتی ہے جس کی نظیر اسلامی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

دوسرا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا معاشرہ سے امیر و غریب کا امتیاز اٹھ جانا یا مسکین کا وجود ختم ہونا منشائے ایزدی کے مطابق ہے بھی یا نہیں؟ قرآن سے ہمیں اس کا جواب نفی میں ملتا ہے ارشاد باری ہے:

"اھم یقسمون رحمت ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجت لیتخذ بعضھم بعضا سخریا" (الشوریٰ ۳۲)

"کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان کی معیشت کو دُنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے، تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے۔"

اسلام امراء و اغنیاء کو یہ حکم ضرور دیتا ہے کہ وہ غریبوں اور مسکینوں کو ان کا حق دیں تاکہ طبقاتی تفاوت کم ہو جائے لیکن وہ اس تفاوت کو یکسر ختم نہیں کرنا چاہتا تاکہ لوگ ضرورت کے مطابق ایک دوسرے کے کام آئیں اور دُنیا کا کاروبار چلتا رہے۔ امراء کے امیر ہونے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ بھی بتلا دیا کہ ایسی تقسیم ہم نے ہی کی ہوتی ہے ؏ اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

زکوٰۃ و صدقات کے احکام کا تعطل،

مثال نمبر ۳ میں آپ حدیث کے بجائے تاریخ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ "حضرت عثمان کے زمانہ میں لوگ زکوٰۃ کا روپیہ جھولیوں میں لیے پھرتے تھے اور کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ ایسے معاشرہ سے صدقہ و خیرات کے تمام احکام ساقط العمل ہو جائینگے" یہ مثال تو پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں صحابی ذاتی ملکیت رکھتے تھے پھر آپ کا نظامِ ربوبیت جو آپ کے خیال کے مطابق رسولِ اکرمؐ نے بپا کر کے دکھلا دیا تھا

وُہ چودہ پندرہ سال تک بھی اپنا وجود قائم نہ رکھ سکا تھا؟

زکوٰۃ لینے والا نہ ملنے سے صدقات وخیرات کے تمام احکام کیسے ساقط العمل ہو سکتے ہیں؟ کیا زکوٰۃ محض صدقہ وخیرات کی ایک قسم ہے؟ صدقہ تو معاشی لحاظ سے اپنے ہمسر بلکہ اپنے سے بڑے کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ جبکہ زکوٰۃ میں یہ شرط ضرور پائی جاتی ہے کہ جو لوگ اہل نصاب یا زکوٰۃ دینے والے ہیں وُہ لے نہیں سکتے۔ پھر ایسے دور میں زکوٰۃ کے احکام بھی ساقط العمل نہیں ہو سکتے کیونکہ مسکینوں کا زکوٰۃ دینا صرف ایک مصرف ہے جبکہ قرآن نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بتلائے ہیں۔ یہ زکوٰۃ کی رقم مسافروں، جہاد دینی مدارس اور تبلیغ و اشاعت اسلام اور تالیف قلوب پر بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ یہ صورت دوسرے صدقات وخیرات کی بھی ہے تو کسی وقت کوئی زکوٰۃ لینے والا مسکین نہ بھی ملے تو اس سے صدقات وخیرات کے جملہ احکام کیسے ساقط العمل قرار پاتے ہیں؟ نیز یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ اس مثال میں عبوری دور کونسا آیا ہے؟

لین دین کے احکام:

مثال نمبر ۴ میں آپ فرماتے ہیں کہ" اگر کوئی حکومت ایسا انتظام کر دے کہ ہر ضرورتمند کو قرضہ مل جائے تو پرائیویٹ لین دین کے معاملات ختم ہو جائیں گے اور ان سے متعلقہ احکام بھی جاری نہ ہوں گے۔

اس مثال میں قرض دہندہ حکومت ہے اور مقروض حاجتمند یا ولی ہے اور قرضہ اس رقم کو کہتے ہیں جس کی واپسی لازمی ہو تو کیا صرف دائن یا قرض دہندہ کی نوعیت کی تبدیلی سے قرضہ کے احکام ساقط العمل ہو سکتے ہیں؟ قرض دہندہ اگر کسی مہاجن کے بجائے خود حکومت ہو تو اس سے معاملہ کی نوعیت میں کیا فرق پڑ سکتا ہے؟ حکومت کے ایسے انتظام سے تو قرضہ کے احکام بھی متاثر نہیں ہوں گے چہ جائیکہ لین دین کے تمام معاملات ختم ہو جائیں اور ان سے متعلقہ احکام بھی نافذ نہ رہیں۔ قرضہ تو لین دین کی صرف ایک قسم ہے جبکہ لین دین میں بیع و شرای، مزارعت، مساقات، آجر اور اجیر، ہبہ و وقف، سکنیٰ و عمریٰ، میراث و وصیت وغیرہ سب کچھ شامل ہے وُہ کیونکر ساقط العمل ہوں گے؟

ذاتی ملکیت اور ارکانِ اسلام

اسلام کے پانچ ارکان میں سے دو ارکان ایسے ہیں جنھیں صرف اس صورت میں بجا لایا جا سکتا ہے جب مسلمانوں کے پاس ذاتی ملکیت موجود ہو، ان میں ایک زکوٰۃ ہے اور دوسرا

فریضۂ حج۔

انفرادی ملکیت اور زکوٰۃ:

زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم قرآن میں تقریباً ستر بار آیا ہے جسے آپ عبوری دور کے فلسفہ اور حالات کی شرط کی آڑ میں ساقط العمل قرار دینا چاہتے ہیں حالانکہ زکوٰۃ کے احکام کا نہ تو عبوری دور سے کوئی تعلق ہے اور نہ حالات کی شرط سے۔ عبوری دور سے تو اس لیے کہ عبوری دور کے تعین کے لیے بعد میں کسی ایسے واضح حکم کا نزول ضروری ہے جو آئندہ ہمیشہ کے لیے نافذ العمل رہے اور قرآن میں کوئی ایسا حکم نہیں ملتا اور حالات سے اس لیے کوئی تعلق نہیں کہ اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ کسی دور میں مسکینوں کا وجود معاشرہ سے ختم ہو سکتا ہے۔ پھر بھی زکوٰۃ کے مصارف اتنے زیادہ ہیں کہ ان سب کا فقدان صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ کسی دور میں اسلام اور اسلامی معاشرہ کا نام ونشان ہی باقی نہ رہے جیسا کہ اشتراکیت میں ذاتی ملکیت کے فقدان اور سرے سے خدا ہی کے انکار پر مبنی معاشرہ قائم ہوتا ہے۔

ذاتی ملکیت اور حج:

حج اسلام کا ایسا رکن ہے جس میں لین دین کا بھی کوئی تعلق نہیں اور ذاتی ملکیت کا بھی پورا تصور موجود ہے، ارشادِ باری ہے:

" وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ۔" (آل عمران ۹۷)

" اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے!"

اب فرمائیے کہ قرآنی نظامِ ربوبیت میں مسکینی ختم ہونے سے صدقات وخیرات کے احکام تو ساقط العمل ہو جائیں گے لیکن حج کا تو لوگوں کی مرفہ الحالی سے کچھ تعلق نہیں۔ پھر جب لوگوں کے پاس ذاتی ملکیت ہی نہ ہوگی تو اس فریضہ کی ادائیگی کیسے ممکن ہے جس کے متعلق پرویز صاحب خود ارشاد فرماتے ہیں کہ:

" حج ۹ھ میں فرض ہوا۔ حضورؐ اس سال خود تشریف نہیں لے گئے لیکن اپنی طرف سے کچھ جانور امیر کارواں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ کر دیے، کہ وہاں مصرف میں لائے جائیں۔ اگلے سال خود حضورؐ حج کے لیے تشریف لے گئے اور وہیں جانور ذبح کیے۔" (قرآنی فیصلے ص ۶۵)

(بقیہ برصٹ)